ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر عرفان توحید
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر صائمہ اقبال
لیکچرار شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
آمنہ کوثر
ایم۔فل اردو اسکالر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

خود نوشت "بجنگ آمد" کا سیاسی و سماجی مطالعہ

Dr. Irfan Tauheed
Assistant Professor Department of Urdu, Lahore Leads University, Lahore
Dr. Saima Iqbal
Lecturer Department of Urdu, GC University, Faisalabad
Amina Kausar
M.Phill Urdu Scholar, GC University, Faisalabad

A Socio-Political Study of Autobiography "Bajang Aamad"

Colonel Muhammad Khan (1910-1999) is one of the renowned writers of Urdu literature. His unique style of writing has earned him a distinctive status. The author's socio-political consciousness is read in full swing in his autobiography "Bajang Aamad" & presents the domestic and international socio-political landscape in an unbiased manner. As you study the journal, the reader begins to discover many facts of the past. The author has elaborated the political and social tensions of India and the Middle East. The writer uses his God-given ability to narrate the events and observations that took place during his military service in the past in a very captivating way. That is why, the reader cannot help but be impressed by his autobiography. The author has made his autobiography interesting by using distortions,

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

alterations of words, a coherent style of narration of events, rhymes and proverbs.

Key Words: *Autobiography, Subcontinent, Second World War, Socio-Political, Situation.*

آپ بیتی "بجنگ آمد" میں کرنل محمد خان نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کے سیاسی و سماجی حالات کو سچائی سے دل چسپ اور مزاحیہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ خود نوشت کی ورق گردانی سے بہت سے حقائق منکشف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والی مختلف اقوام کے سیاسی، سماجی اور مذہبی طرزِ عمل سے آگاہی ہوتی ہے۔ خاص طور پر انگریز حکومت اور فوجی افسران کے تفاخر پسندانہ رویوں کا پتہ چلتا ہے۔ انگریزوں کے ہتک آمیز سلوک کی کئی مثالیں ہمیں آپ بیتی میں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے اسباب و اثرات اور نتائج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کرنل محمد خاں ۵/ اگست ۱۹۱۲ء میں ضلع چکوال کے ایک قصبہ میں چودھری امیر خان کے گھر پیدا ہوئے۔ چکوال اور کوہستان کے مضافاتی علاقوں میں مصنف کے مغل قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔ عموماً یہ لوگ کھیتی باڑی کے پیشہ سے منسلک ہیں لیکن یہاں کے باشندوں کا شوق فوج میں خدمات سرانجام دینے کا ہے۔ مصنف نے ۱۹۲۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا[۱] اور لاہور میں کالج کی تعلیم مکمل کی۔ آپ کے ہم جماعتوں میں ایم۔ڈی تاثیر، فیض احمد فیضؔ، ن۔م راشد اور محمود نظامی شامل تھے۔ مصنف نے بی۔اے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے (اقتصادیات) کی ڈگری مکمل کی اور سینٹرل ٹریننگ کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ بطور معلم شعبہ تعلیم سے بھی منسلک رہے لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے ملازمت کو خیرباد کہہ کر واپس چکوال آ گئے۔

مصنف کو فوج میں بطور لیفٹیننٹ شامل ہونے کا بہت شوق تھا اس لیے انھوں نے فوج میں کمیشن حاصل کرنے کی غرض سے درخواست گزاری۔ ان دنوں افواج میں کمیشنڈ آفیسر انتخاب کے لیے انٹر سروسز سلیکشن بورڈ ابھی قائم نہیں کیا گیا تھا۔ امیدواران کو حتمی انتخاب کے لیے مختلف انٹرویو کمیٹیوں کے سامنے سوالات کے جوابات دینے ہوتے تھے۔ مصنف کو جہلم، پنڈی، شملہ میں کامیاب انٹرویوز کے بعد آفیسر ٹریننگ سکول مہو میں فوجی تربیت کے لیے ۸/ اگست ۱۹۴۰ء کو بھیجا گیا۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

مصنف نے فوجی تربیت کے مختلف مراحل کو آپ بیتی میں بڑے دل چسپ انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تربیت کے معمولات جن میں پی ٹی، ڈرل، پستول، مشین گن کی سکھلائی اور باقاعدہ لیکچرز شامل تھے۔ مصنف نے فوج میں بھرتی سے پہلے افسری کا جو تصور دل و دماغ میں قائم کیا ہوا تھا، اسے تو چند دن میں ہی نکال دینے میں ہی انھوں نے عافیت سمجھی کیونکہ ڈرل کے دوران ان کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے، رائفل کو سلوپ کرتے ہوئے ہاتھ جواب دینے لگے، مورچوں کی مسلسل کھدائی سے جان دو بھر ہوئی، رسے کے ذریعے چڑھنے، دوڑتے ہوئے گھوڑوں سے کودنا، بے مرچ بدذائقہ کھانا اور پھر سونے پہ سہاگہ سارجنٹ میجر کا کرخت لہجہ برداشت کرتے کرتے ان کی نو ماہ کی تربیت مکمل ہوئی۔ مصنف فوجی تربیت کی تکمیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اپریل ۱۹۴۱ء کی وہ صبح بھولنے کی نہیں، جب وہ چھوٹی ریل گاڑی ہم نیم لفٹینوں کی ہنستی گاتی ٹولی کو لیے مہو کے سٹیشن سے نکلی۔ معاً ہمیں وہ دن یاد آیا جب نو ماہ پیشتر ہم اسی سٹیشن پر پہلی مرتبہ اترے تھے اور گورے سارجنٹوں نے ہمارے پندار کی گربہ کا روز اوّل ہی کام تمام کر دیا تھا، لیکن وہی گورے آج ہمیں سلیوٹوں سے رخصت کر رہے تھے۔" (۲)

تربیت کے بعد مصنف کو پشاور میں بطور سیکشن افسر جس کا کام پہاڑی توپ خانے کو مواصلات پہنچانا ہوتا ہے تعینات کیا گیا۔ سگنلز کے اس سیکشن میں تمام ماتحت عملہ پنجابی مسلمان تھے۔ پندرہ بیس دن گزرنے کے بعد مصنف کو پشاور سے دتا خیل وزیرستان بھجوا دیا گیا، جہاں فوج قبائلیوں کے ساتھ باقاعدہ جنگ میں مصروف تھی۔ دتا خیل کی چوکی چھوٹا قلعہ ایک کھلے میدان میں قائم کی گئی تھی، جس کے چہار اطراف اونچے پہاڑ تھے۔ چونکہ سرحدی جنگوں کا انداز عام جنگوں سے بہت مختلف ہوتا ہے، اس لیے ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک نیا معرکہ ہوتا تھا۔ قبائلی معرکوں میں سب سے زیادہ تکلیف دہ وہ منظر ہوتا جس میں قبائلیوں کے گھروں کو گرا دیا یا جلا دیا جاتا تھا۔ عموماً سرِ شام ارد گرد کے پہاڑوں سے باقاعدہ فائرنگ شروع ہو جاتی اور پھر اس کے جواب میں گولیوں اور گولوں کی بارش کر دی جاتی تھی۔ دو ماہ تک دتا خیل کے پہاڑوں کی گوشمالی کے بعد مصنف کو بذریعہ بحری جہاز بمبئی سے سمندر پار جنگ میں شامل ہونے کا حکم ملا۔ ایک تو مصنف کے فوجی دوست احباب نے سمندر پار جانے سے اتنا ڈرایا اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

دوسرا محاذ جنگ سے موصول ہونے والی خبروں سے گویا یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ شاید جنگی محاذ پر پہنچنے سے پہلے ہی خالق حقیقی کو جا ملیں گے۔

ان دنوں لڑائی مصر سے آگے لیبیا میں مسولینی کی افواج کے خلاف بڑے جوش و خروش سے لڑی جا رہی تھی۔ مصنف ایک ہفتے کے بحری سفر کے بعد یکم ستمبر ۱۹۴۱ء کو بصرہ پہنچے۔ مصنف کو بصرہ سے مغرب کی جانب پندرہ میل دور شائبہ کیمپ پہنچایا گیا۔ جہاں سے آگے محاذ جنگ پر بھیج دیا جاتا تھا۔ اس فوجی کیمپ کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

> ”شائبہ کیمپ میں پہنچے، تو پہلی مرتبہ انسان نظر آئے یعنی ہندوستانی اور برطانوی فوجوں کے سپاہی... فوج میں ہمیشہ دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں وہ جو لڑ کر جیتتے ہیں اور وہ جو کھا کر جیتتے ہیں۔ شائبہ کیمپ میں دونوں قسمیں پائی جاتی تھیں۔“ (۳)

اس کیمپ میں برٹش اور انڈین ونگ تھے۔ برٹش ونگ میں تمام فوجی اور افسران انگریز تھے جبکہ انڈین ونگ میں ہندوستانی فوجی اور ان کے افسران قیام پذیر تھے۔ اس دور میں ہندوستانی فوج میں اکثریت انگریز افسران کی ہی تھی، لیکن بعد میں تمام ہندوستانی اقوام کے لوگ شامل ہوتے گئے۔ مصنف آپ بیتی کے باب ششم میں ہندوستانی اقوام کی سیاسی و سماجی صورت حال کو واضح کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ”یہ عجیب بات تھی کہ ہندوستان میں فوج کو چھوڑ کر زندگی ایک مسلسل ہندو مسلم دنگل تھا، جس میں اکثر سکھ بھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے شامل ہو جایا کرتے تھے اور فقط پارسی ہی اس بزم شیر و شر کو ساحل سے دیکھتے تھے، لیکن فوج میں تمام دیسی افسر ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے اور اگر خدا واسطے کا بیر تھا تو صرف انگریز افسروں سے“ (۴)

مصنف کا ماننا ہے کہ ہندوستانی محکوم اقوام میں شاید محکومی کی وجہ سے حساسیت زیادہ بڑھی ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کا انگریزوں سے ہمیشہ خواہ مخواہ الجھنے کو ہی جی چاہتا رہا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ انگریز عہدوں میں سینئر تھے، اس لیے ہندوستانی اور انگریز افسروں کے درمیان نوک جھونک ہمیشہ ہوتی ہی رہتی تھی۔ اسی دوران حکم دیا گیا کہ رائل سگنلز کے افسران انڈین ونگ میں قیام کی بجائے برٹش ونگ میں قیام و طعام کریں گے کیونکہ ان دنوں انڈین سگنلز کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے مصنف کو انڈین ونگ کی بجائے برٹش ونگ میں پہنچا دیا گیا:

"چار ماہ کے ناپختہ سیکنڈ لیفٹیننٹ کو اپنی برادری سے ادھیڑ کر اجنبی گوروں یعنی مخالفین کے سپرد کر دینا سامراجی تشدد کی ایک اور مثال تھی، لیکن کانگریسی تو تھا نہیں کہ لاری کے آگے لیٹ جاتا۔"(۵)

آپ بیتی میں مصنف نے بصرہ کی سماجی صورت حال کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بصرہ شہر فوجی کیمپ سے پندرہ میل دور تھا۔ شہر کے مرد حضرات کی رنگت گوری اور کالی تھی، لیکن یہاں کی خواتین بہت خوبصورت تھیں۔ معاشی لحاظ سے ان دنوں بصرہ کے لوگ غربت و افلاس کی چکی میں پس رہے تھے۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں انہیں بصرہ سے بغداد اور پھر حبانیہ پہنچایا گیا، جہاں پر برطانیہ کا مشہور ہوائی اڈا تھا، حبانیہ کیمپ ایک سمندر کی طرح جھیل کے کنارے دسویں انڈین انفنٹری ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ جہاں جھیل گہرے نیلے پانی کی وجہ سے ایک عجیب ہی منظر پیش کر رہی تھی۔ رات وہاں قیام کرنے کے بعد مصنف کو ۲۰ بر گیڈ کے سگنل سیکشن میں بطور سیکنڈ ان کمانڈ تعینات کیا گیا۔ بغداد شہر سے قریباً ڈیڑھ سو میل دور کیارہ مقام پر ۲۰ بر گیڈ خیمہ زن تھی، جہاں ہر طرف بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ باب ہفتم بعنوان "صحرائے کیارہ اور بر گیڈ آفیسرز میس" میں مصنف فوج میں پائے جانے والے نظم و ضبط کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک ضبط کا تعلق ہے، یہ میس کی بے ضبطی صرف دورون میس کی بات تھی... میس کے باہر وہی حفظ مراتب تھا جو فوج میں ہوتا ہے۔ سینئر کا حکم اور جونیئر کی لبیک، خواہ تعمیل حکم میں جان ہی کیوں نہ جائے، بلکہ یہ کہ میس کی آزادی ہی باہمی احترام اور محبت کی ضامن تھی۔"(۶)

آپ بیتی کے باب ہشتم بعنوان "نیم لفٹین بغداد میں" کا آغاز مصنف نے علامہ اقبال کے ایک مصرعہ "وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" سے کیا ہے۔ کیونکہ ان دنوں اس لق و دق صحرا میں وجودِ زن کا دور دور تک کوئی نام و نشان موجود نہ تھا۔ افسران اپنے دل کی دنیا کو رنگین کرنے کے لیے بغداد جانے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ بغداد میں اگر کوئی کام نکل آتا، تو کئی افسران رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کر رہے ہوتے تھے۔ بغداد شہر میں "کٹ کیٹ" اور "ملہی الف لیلہ" عربی رقص کے دو مشہور کیبرے تھے، جو کہ فوجی افسران کی راحت اور سکون کا باعث سمجھے جاتے تھے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ رقص و سرود کے حوالے سے ہر ملک میں اپنا

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

مخصوص طریقہ کار ہے۔ ہندوپاک میں رقص کے دوران آنکھوں، ابرو کے اشاروں، ہاتھوں اور پیروں کی حرکات و سکنات کو شامل کیا جانا لازم ٹھہرایا جاتا ہے۔ جبکہ عربی رقص کا لازمی حصہ عریانی ہے۔ دوسرا کولہوں اور چھاتیوں کی حرکات کو خاص طور پر رقص کے دوران شامل کیا جاتا ہے۔ مصنف کو بغداد کے معروف کیبرے ڈانس میں بھی وہ بات نہ ملی جو ہندوستانی رقص میں تھی۔ عرب رقص اور دیسی رقص میں فرق اتنا زیادہ تھا گویا جتنا ستار نوازی اور ڈھول میں یا گلاب کے اور گوبھی کے پھول میں ہوتا ہے۔

کرنل محمد خان نے جہاں ہندوستانی سیاسی و سماجی صورت حال کو اپنی آپ بیتی کا حصہ بنایا ہے، وہاں بطور خاص مشرق وسطیٰ کی سیاسی و سماجی زندگی کے عناصر کو پیش بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری آپ بیتی میں کھو سا جاتا ہے اور اس کی دل چسپی صفحات کی ورق گردانی سے مزید بڑھتی جاتی ہے۔ مشرق وسطیٰ کے حوالے سے مصنف کا کہنا ہے کہ عرب مسلمانوں کا دیسی مسلمانوں کے دلوں میں ایک پیدائشی احترام موجود ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ ان عرب ممالک میں جاکر، ان کی نام نہاد حرکات کو اپنی گناہ گار آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد یہ احترام انتہائی کم ہونے لگتا ہے۔ دراصل مشرقی ہندوستانی مسلمانوں نے ہمیشہ محض عرب ہونے کی وجہ سے انہیں اتنا زیادہ راسخ العقیدہ مسلمان سمجھ لیا ہے کہ ہم سوائے اس بات کے علاوہ ان سے کوئی اور توقع ہی نہیں کرتے کہ وہ تہجد سے لے کر عشاء تک صرف عبادات میں ہی مشغول رہتے ہیں۔ ہم شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح کے گناہ گار خاکی بندے ہیں اور ان کے سینوں میں بھی دل پائے جاتے ہیں۔

مصنف کو بغداد کے لوگوں کی نماز پڑھنے کا طریقہ عجیب معلوم ہوا۔ نماز عید کے لیے جب وہ بصرہ مسجد پہنچے تو وہاں دیکھا کہ لوگ فرداً فرداً اپنی نماز پڑھ رہے تھے، یعنی باجماعت نماز کا اہتمام نہیں کروایا گیا تھا اور مسجد میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی نماز ادا کر رہی تھیں۔ ایک خاتون تو دوران نماز سگریٹ کے کش سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ البتہ ایک کام میں عرب لوگ ہم سے آگے تھے اور وہ تھا قرأت۔ عربوں کی تلاوت قرآن پاک سن کر انسان خود بخود وجد میں آجاتا ہے۔ بغداد کا قیام اختتام پذیر ہوا تو انہیں واپس کیارہ بلایا گیا، جہاں سے ان کو موصل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ان دنوں اس کوچ کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ شمال کی طرف سے ہٹلر کی افواج بھی اس جانب پہنچ رہی ہیں اور جلد مڈ بھیڑ کا امکان تھا۔

موصل میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مصنف کی بر گیڈ کو موصل سے افریقہ کے صحرائے اعظم میں طبرق پہنچنے کا حکم ملا۔ نقشہ دیکھنے سے انہیں معلوم ہوا کہ موصل سے طبرق براستہ فلسطین کے ساحل تک اور اس کے آگے نہر سویز کو عبور کر کے افریقہ کے شمالی کنارے ساحلی سڑک پر منزل مقصود تھی۔ صحرا میں طویل سفر کے بعد ان کا قافلہ دریائے اردن کو عبور کر کے فلسطین پہنچا۔ فلسطین کا علاقہ کشمیر یا سوات کے علاقے سے مشابہت رکھتا تھا۔ فلسطین کے حیفہ شہر پہنچ کر فوجی قافلے کو حیفہ شہر دیکھنے کی اجازت دی گئی۔ حیفہ ایک پہاڑی پر واقع تھا اور اس کے حسن میں قدرت کے ساتھ ساتھ انسانوں نے بھی اپنے جوہر دکھائے تھے۔ مصنف فلسطین کی سیاسی و سماجی صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "۱۹۴۲ء میں اسرائیل ابھی وجود میں نہیں آیا تھا، لیکن یہودی فلسطین پر چھا رہے تھے اور حیفہ تو ایک پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی گود میں گرنے کو تھا۔"(۷)

فوجی بر گیڈ حیفہ سے گزر کر اسلوج اور نہر سویز عبور کرنے کے بعد اسماعیلیہ میں رات کو داخل ہوا۔ وہاں ایک رات قیام کے بعد قاہرہ سے گزر کر دریائے نیل عبور کر کے کانوائے نے صحرا میں رات کو قیام کیا۔ ایک صبر آزما سفر کے بعد کارواں مرسیٰ مطروح پہنچا، جہاں پر گزشتہ سال کی جنگ کی یادوں نے تازہ دم کر دیا۔ یہاں پر چوتھے انڈین ڈویژن نے مسولینی کی افواج کو خوب سبق سکھایا۔ اس جنگ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ مخالف فوج کے اطالوی افسران کو جب مورچوں سے باہر نکالا گیا، تو ہر افسر کے ساتھ اس کی داشتہ بھی مورچے سے باہر نکل آئی۔ مرسیٰ مطروح سے سیدی بارانی سے ہوتے ہوئے قافلہ شام کو سلوم پہنچا۔ سلوم مصر اور لیبیا کی سرحد پر واقع تھا، رات قیام کر کے ہلفایہ سے طبرق کے نزدیک بل حمد کے مقام پر اپنا ڈیرہ جما :یا

> "صبح ہوئی تو وہ حکم بھی آ گیا جس کا انتظار تھا یعنی یہ کہ بر گیڈ آگے بڑھ کر سیّدی رزیغ کی پہاڑی پر دفاعی مورچے قائم کرے اور جرمنوں کے حملے کا منتظر رہے کیونکہ آثار سے پیدا تھا کہ جرمن طبرق کی بجائے سیدی رزیغ پر حملہ کرنے والے ہیں۔"(۸)

دس دن گزرنے کے بعد بل حمد سے پیدل فوج کے دستوں کو سیدی رزیغ میں مورچہ زن ہونے کا حکم ملا۔ دو دن تک جرمن فوج کے حملے کا مسلسل انتظار کرنے کے بعد سیدی رزیغ کے وسیع میدان جنگ کا جائزہ لیا گیا۔ دشمن نے ہر طرف بارودی سرنگوں کا جال بچھایا ہوا تھا، سڑک کے دونوں اطراف خاردار تاریں لگا دی گئی تھیں۔ جیسے ہی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

کوئی انسان یا گاڑی سڑک سے دائیں یا بائیں ہو کر ان تاروں سے الجھتی تھی تو اسی وقت زوردار دھماکے سے بارودی سرنگ پھٹ جاتی تھی۔ بالآخر ۱۷ جون ۱۹۴۲ء کے دن گڑھوال رائفلز، راجپوت رائفلز اور ساؤتھ ویلز بارڈرز نے اپنے مورچے سنبھال لیے اور جرمن فوجی دستوں کی طرف سے شدید گولہ باری کا آغاز کیا گیا۔ مصنف کی ذمہ داریوں میں وائرلیس کے ذریعے پیغام رسانی کا کام تھا، اس لیے جنگ کی شروعات سے ہی قیامت خیز خبریں ملنے لگیں۔ اگلی صبح سے شام تک شدید گولہ باری جاری رہی، اسی دوران جرمن فوج کی معروف ۹۰ لائٹ آرمرڈ ڈویژن مشرق سے پوری آب و تاب کے ساتھ اتحادی افواج کے پسپائی کے راستے کو کاٹنے کے لیے بڑھ رہی تھی۔ اس خفیہ خبر کے ملتے ہی بر گیڈ کو فوری طور پر سیدی رزیغ کو چھوڑ کر پیچھے سلوم کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔

مصنف تیرہویں باب بعنوان "قاہرہ ایام جنگ میں" مصر کی تہذیب و ثقافت اور سیاسی و سماجی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان دنوں قاہرہ کے دلکش اور پر رونق بازاروں میں بہت چہل پہل تھی، خصوصاً مصری خواتین کا پہناوا، آرائش و زیبائش اور چال ڈھال مغرب زدہ تھی۔ یہاں پر ہندوستان، انگلستان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈی، یونان، افریقہ، فرانس اور پولینڈ کے مرد اور خواتین فوجیوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ قاہرہ میں مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والی افواج کی اتنی کثرت تھی کہ گمان ہوتا تھا، اصل جنگ تو قاہرہ کے بازاروں میں ہو رہی تھی۔ مصنف نے قاہرہ کی مشہور رقص گاہ "گراپی" کا تذکرہ یوں کیا ہے :

> "گراپی کے کشادہ در و دالان میں سینکڑوں مرد اور عورتیں مصروف اختلاط تھے۔ دفعتہ بینڈ پر ایک نئی دھن کی ابتداء ہوئی اور مرد التجائے رقص لے کر اپنی پسند کی خواتین کے آگے جا جھکے۔"(۹)

جنگ عظیم دوم ۱۹۴۳ء کے اواخر تک افریقہ سے بہت دور اٹلی میں داخل ہو رہی تھی لیکن اچانک اطالوی افواج نے ہٹلر کا ساتھ چھوڑ کر اتحادی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جنگ کے اختتام پر مصنف وطن واپس لوٹ آئے۔ آپ بیتی کے آخر میں مصنف ہندوستان کی سیاسی صورت حال کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ان دنوں ملک میں ایک سیاسی انقلاب کروٹ لے رہا تھا۔ قائداعظم اور پنڈت نہرو دِلّی میں لارڈ مونٹ بیٹن سے مل کر انگریزی راج کا قصہ تمام کر رہے تھے اور اڑتی سی خبر تھی کہ ملک آزاد ہونے والا ہے۔"(۱۰)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ریگولر کمیشن کے حصول کے لیے مصنف کو ۶جون ۱۹۴۷ء کو سلیکشن بورڈ میرٹھ کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا۔ ۳جون ۱۹۴۷ء کو ریڈیو کے ذریعے لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت نہرو اور قائد اعظم محمد علی جناح کی تقاریر نشر کی گئیں۔ اہل ہندوستان کو خوش خبری سنائی گئی کہ ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ملک کی حیثیت سے اُبھرے گا۔ قیام پاکستان کے حوالے سے مصنف اپنی ایک خوش گوار یاد کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ”سیسل ہوٹل مری کا کمرہ نمبر ۱۲۶ ایک منکسر مزاج سا سنگل کمرہ ہے لیکن ہمارے لیے عظیم تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کمرے میں ہم پر ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی پہلی صبح طلوع ہوئی۔ اسی کمرے میں ریڈیو پاکستان کا پہلا نشریہ سنا۔“ (۱۱)

کرنل محمد خان کے انداز بیان میں ایک فطری کیفیت ہے، اس پر بلاشبہ اچھے مصنّفین فخر کر سکتے ہیں۔ (۱۲) مصنف نے اپنی داستان مزاحیہ، بے باک اور انبساط سے تحریر کی ہے، ایسی مہارت کی امید کسی فوجی سے نہیں کی جاسکتی۔ (۱۳) مصنف نے نظم وضبط سے بھرپور فوجی ملازمت کے دوران پیش آنے والے واقعات، مشاہدات اور تفکرات کو اتنے دل کش انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری تحریر سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بے لاگ انداز فکر، اشعار، مصرعہ جات اور محاورات کے بر محل استعمال نے آپ بیتی کو مزید نکھار دیا ہے۔ "بجنگ آمد" کے بارے میں سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> ”انسانوں کی طرح کتابیں بھی قسما قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً ”بزرگ کتابیں“، ”نادان کتابیں“ وغیرہ وغیرہ۔ ”بجنگ آمد“ ایک ”دوست کتاب“ ہے یعنی ایسی کتاب جس پر دل ٹوٹ کر آجائے۔“ (۱۴)

کرنل محمد خان نے آپ بیتی کو دلچسپ بنانے کے لیے پر لطف واقعات، الفاظ کے ردوبدل، کرداروں کی حرکات، واقعات کے تضاد و تقابل اور کہیں پہ مکمل تحریف نگاری سے کام لے کر اپنی فوجی زندگی کی داستان کو مزاح کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ ”بجنگ آمد“ میں مصنف کے پر لطف انداز بیان کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> ”کرنل محمد خان کا شمار ان مزاح نگاروں میں ہوتا ہے جو زندگی کے بجھے ہوئے ماحول میں داخل ہوتے ہی پھولوں کے گلدستے کو خزاں میں بکھیرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ماحول پہلے انہیں حیرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور پھر فضا میں ہر طرف اڑتے ہوئے پھولوں کو سمیٹنے لگتا ہے۔" (۱۵)

کرنل محمد خان کا اسلوب نگارش ایسا ہے جو کہ دوسرے لکھاریوں کی تحریروں میں بہت کم ملتا ہے۔ ان کے ہاں بات کو بیان کرنے کا سلیقہ اتنا دل کش ہے کہ ہر بات پر پھولوں کے جھڑنے کا گماں ہوتا ہے۔ ان کی تحریر میں الفاظ کا جادو قاری پر اپنا اثر چھوڑتا ہوا ظاہر ہونے لگتا ہے۔ ان کی آپ بیتی کو سادہ اور رنگین اسلوب کا مرقع کہا جانا غلط نہیں ہو گا۔ (۱۶)

حوالہ جات

۱۔ محمد اسماعیل صدیقی، بریگیڈیئر، کرنل محمد خان، فن اور شخصیت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص:۲۱۰

۲۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۳۹

۳۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۶۳

۴۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۶۴

۵۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۶۵

۶۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۷۷

۷۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۰۶

۸۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۱۵

۹۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۴۱

۱۰۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۲۲۳

۱۱۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۲۲۴

۱۲۔ محمد خالد اختر، بجنگ آمد، مشمولہ: سہ ماہی آج، کراچی: شمارہ نمبر ۵۲، فروری ۲۰۰۵ء، ص:۱۹۴

۱۳۔ محمد خالد اختر، بجنگ آمد، ص:۱۹۶

۱۴۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۰

۱۵۔ انور سدید،ڈاکٹر، رسالہ آہنگ قلب، ۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء، ص:۸۰

۱۶۔ فوزیہ چودھری،ڈاکٹر، اردو طنز و مزاح کے پچاس سال، پولیمر پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص:۱۱۸